آخری قسط

تاریخ وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

پہلی قسط میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ۹؍ذی الحجہ ۱۰ھ کو ''جمعہ'' کا دن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ربیع الاوّل ۱۱ھ میں ''پیر'' کے دن واقع ہونا تسلیم کر لینے کے بعد کسی حساب سے بھی ۱۲؍ربیع الاوّل ۱۱ھ کو پیر کا دن نہیں آتا۔ لیکن امام ابن کثیر نے ابوالقاسم السہیلی کے اس دعویٰ کے جواب میں فرمایا ہے کہ:

> ''اور ایک جماعت نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور اس کا جواب صرف ایک ہی طریق سے دینا ممکن ہے اور وہ یہ کہ مطالع میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس طرح ممکن ہے کہ اہلِ مکّہ نے ذوالحجہ کا چاند جمعرات کی شب کو دیکھا ہو اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہا کے قول سے ہوتی ہے کہ ذوالحجہ کی پانچ راتیں باقی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے حجۃ الوداع کے لیے نکلے۔''

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے متعین ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے روز نکلے اور ابن حزم کا خیال درست نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے روز نکلے کیونکہ اس طرح بلاشک وشبہ پانچ سے زیادہ راتیں باقی رہتی ہیں اور جمعہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔''

پس متعین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہفتہ کے روز نکلے جب کہ ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہتی تھیں۔ اس لحاظ سے اہلِ مدینہ نے ذوالحجہ کا چاند جمعہ کی رات کو دیکھا اور جب اہلِ مدینہ کے نزدیک یکم ذوالحجہ جمعہ کو ہوا اور اس کے بعد مہینوں کو پورا شمار کیا جائے تو یکم ربیع الاوّل جمعرات کو ہوگی اور ۱۲؍ربیع الاوّل کو سوموار ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ اردو، جلد: ۵، ص: ۴۴۳، مطبوعہ: نفیس اکیڈمی کراچی)

امام ابن کثیر نے ''اختلافِ مطالع'' اور ''حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا'' کا سہارا لے کر اگرچہ ۱۲؍ربیع الاوّل کو ''پیر'' کا دن ثابت کر دیا ہے لیکن یہ محض ایک مفروضہ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اس ''جواب'' کو تسلیم کرنے کی صورت میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرّم اور صفر یعنی چار مہینے مسلسل تیس تیس دن کے شمار کرنا ہوں گے جبکہ علماء

اور ماہرین فلکیات کی تصریح کے مطابق ایسا ہونا بعید ترین بلکہ ممتنع ہے۔اس کی صورت ملاحظہ فرمائیں:

یکم ذی قعدہ،	بدھ	کامل مہینہ (تیس دن کا)	
یکم ذی الحجہ،	جمعہ	کامل مہینہ (تیس دن کا)	
یکم محرّم،	اتوار	کامل مہینہ (تیس دن کا)	
یکم صفر،	منگل	کامل مہینہ (تیس دن کا)	
یکم ربیع الاوّل،	جمعرات	کامل مہینہ (تیس دن کا)	بارہ ربیع الاوّل پیر

مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واشگاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''بعض نے اختلاف مطالع کی تاویل کی ہے جو بالکل باطل ہے'' (ربیع الاوّل میں جوشِ محبت، ص: ۹)

جہاں تک اختلافِ مطالع کا تعلق ہے تو وہ مکّہ اور مدینہ پر ہرگز صادق نہیں آتا۔اس دور میں ''رؤیت ہلال'' کا پُر تکلف اہتمام ہی نہیں کیا جاتا تھا۔چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

> ''عہدِ رسالت میں پھر خلافتِ راشدہ قرونِ خیر میں کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اتنا اہتمام فرمایا ہو کہ لوگوں کو ان پہاڑوں کے کسی اونچے مقام پر چڑھ کر چاند دیکھنے کے لیے بھیجا ہو، اس طرح اس عہد مبارک میں اگر ہوائی جہاز اور ریڈیو، ٹیلی فون نہ تھے تو تیز رفتار سانڈنیاں موجود تھیں مگر حکیم الحکماء نے اس کو بھی پسند نہ کیا۔'' (آلاتِ جدیدہ، ص: ۱۷۴)

جب موقع پر موجود ہونے کے باوجود یہ کچھ اہتمام نہ تھا تو اختتام سے قبل روانہ ہو کر، مناسک حج ادا کر چکنے کے تقریباً ایک ماہ بعد اختتام ذی الحجہ سے ایک ہفتہ قبل مدینہ منوّرہ پہنچ کر ذی الحجہ کے چاند کے طلوع کے بارے میں کیوں کر تحقیق کی ہوگی؟ امام ابن کثیر نے اس ''مفروضہ'' پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں فرمائی کہ مدینہ منوّرہ میں یکم ذی الحجہ کو ''جمعہ'' کا دن تھا جبکہ مکّہ مکرّمہ میں جمعرات کا دن۔اس مفروضہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہر شہر کے لیے الگ الگ تاریخ مرتب کرنا پڑے گی۔موصوف کے اس جواب کی اہمیت اہلِ علم پر خوب واضح ہے۔ایسا جواب کسی مؤقف کی تائید میں ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ موصوف خود امام سہیلی کے اعتراض کو اہم قرار دے رہے ہیں، علماء کے جوابات سے مطمئن بھی نہیں ہیں۔اس کے بعد خود ایک مفروضہ پیش کر رہے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے...... پھر انہوں نے جس حدیث کو اپنی تائید میں پیش کیا اس سے استدلال بھی درست نہیں ہے (اس پر بحث آگے آرہی ہے) لہٰذا یہ مفروضہ دیگر روایات اور حقائق کے مقابلہ میں قابلِ تسلیم نہیں ہے۔اس تمہید کے بعد ''اختلافِ مطالع'' کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

''مطلع'' کے معنی چاند کے طلوع ہونے کی جگہ کے ہیں۔اس طرح اختلاف مطلع کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے

مختلف خطوں میں چاند کے طلوع ہونے اور نظر آنے کے الگ الگ مقامات۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ ایک جگہ چاند نمودار ہو اور دوسری جگہ نہ ہو۔ ایک جگہ ایک دن چاند نظر آئے اور دوسری جگہ دوسرے دن۔ یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں مطلع کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اس مطلع کا اختلاف معتبر بھی ہوگا یا نہیں؟ اگر چہ فقہاء کرام کے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں لیکن فطری اور منطقی بات یہی ہے کہ اختلاف مطالع تسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر اس کی حد کیا ہوگی؟ اس کے متعلق علاّمہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ:

''**و اقل ما اختلف المطالع مسیرة شهر کما فی الجواهر**'' یعنی کم سے کم جس سے اختلاف مطالع واقع ہوتا ہے وہ ایک ماہ کی مسافت ہے جیسا کہ ''جواہر'' نامی کتاب میں ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ ایک شہر والے چاند کو دیکھ لیں تو کیا تمام شہر والوں کے حق میں رؤیت لازم ہو جائے گی۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ لازم نہیں ہوگی۔ اور قدوری میں ہے کہ اگر دو شہروں کے درمیان ایسا تفاوت ہے کہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں رؤیت لازم ہوگی۔

مولانا عبدالحی فرنگی محل ساری بحث سمیٹنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

> ''عقل ونقل ہر لحاظ سے سب سے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایسے دو شہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطلع بدل جائیں جس کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے اس میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیے معتبر نہیں ہونی چاہیے اور قریبی شہروں میں جن کے مابین ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو تو ایک شہر میں رؤیت دوسرے شہر کے لیے لازم ہوگی۔'' (مجموعۃ الفتاویٰ علی ھامش خلاصۃ الفتاویٰ، جلد: اوّل ص: ۲۵۶)

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تحت منعقدہ ۳،۴ رمئی ۱۹۶۷ء مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور نمائندہ شخصیتوں نے مل کر اس مسئلہ کی بابت جو فیصلہ کیا تھا وہ حسبِ ذیل ہے:

۱۔ نفس الامر میں پوری دنیا کا مطلع ایک نہیں ہے بلکہ اختلاف مطالع مسلّم ہے۔ یہ ایک واقعاتی چیز ہے اس میں فقہاء کرام کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۔ البتہ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں کہ صوم اور افطارِ صوم کے باب کی تصریحات اور ان کے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اس باب میں بھی اختلاف مطلع معتبر ہے۔

۳۔ بلادِ بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں باہم اس قدر دوری ہو کہ عادتاً ان کی رؤیت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہو۔

۴۔ بلادِ قریبہ وہ شہر ہیں جن کی رؤیت میں ایک دن کا فرق نہیں پڑتا۔ فقہاء ایک ماہ کی مسافت کی دوری جو تقریباً ۵۰۰ یا ۶۰۰ میل ہوتی ہے بلادِ بعیدہ قرار دیتے ہیں اور اس سے کم کو بلادِ قریبہ۔

(بحوالہ جدید فقہی مسائل، جلد اوّل، ص: ۹۳۔ مؤلفہ: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

اس توسّع کے باوجود اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا مکّہ اور مدینہ بلادِ بعیدہ میں شمار ہوتے ہیں بلادِ قریبہ میں؟ دنوں کے حساب سے یہ مسافت آٹھ دن ہے اور میلوں کے حساب سے زیادہ سے زیادہ تین سو میل (۴۵۰ کلومیٹر) صاف ظاہر ہے کہ یہ مسافت بلادِ بعیدہ میں ہرگز شامل نہیں۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مکّہ اور مدینہ کے مابین اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے خواہ ایک ماہ کی مسافت کا قول اختیار کیا جائے یا پھر چھ سو میلوں میں اسے شمار کیا جائے لہٰذا مکّہ اور مدینہ کی رؤیت دونوں شہروں کے لیے ایک ہی تصور ہوگی اور اسی پر آج بھی عمل ہو رہا ہے۔ اب جب دونوں شہروں کی رؤیت ایک ہی ثابت ہوگئی ہے تو پھر دونوں مقامات پر یکم ذی الحجہ کو جمعرات کا دن ہی تسلیم کرنا پڑے گا خواہ چاند مکّہ میں دیکھا گیا ہو یا مدینہ میں۔ اس لحاظ سے بھی ۱۲؍ربیع الاوّل کو مکّہ اور مدینہ میں ''پیر'' کا دن نہیں آسکتا۔ علاوہ ازیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مفسّرین، محدّثین اور مؤرخین نے مکّہ ہی کی رؤیت کا اعتبار کرکے ۹؍ذی الحجہ کو جمعہ کا دن قرار دیا ہے تو پھر ہمیں بھی ان ہی کی اتباع کرلینی چاہیے۔ یہ بحث تو مکّہ اور مدینہ میں اختلافِ مطالع کے اعتبار سے تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ذی الحجہ کے چاند کی رؤیت مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہوئی۔ (اس کا ذکر آگے آرہا ہے) اس طرح ۹؍ذی الحجہ کو جمعہ کا دن ثابت ہوجانے کے بعد آٹھوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں بھی ۱۲؍ربیع الاوّل کو ''پیر'' کا دن نہیں آتا۔ لہٰذا یہ تاریخ وفات نہیں ہوسکتی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج سے فارغ ہوکر ۱۴؍ذی الحجہ کو مکّہ سے روانہ ہوئے تھے اور ۲۰؍ذی الحجہ کے بعد مدینہ پہنچے تھے پھر اگلے تینوں مہینوں کے چاند مدینہ میں ہی طلوع ہوئے اور وہیں وفات واقع ہوئی لہٰذا یہی حساب شمار کرنا پڑے گا۔

امام ابن کثیر نے اپنے ''مفروضے'' کی تائید میں جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس سے مدینہ میں یکم ذی الحجہ کو جمعہ کا دن ''ثابت'' کیا ہے جو خلاف واقع ہے۔ اس صورت میں سواشکال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ذی قعدہ کا مہینہ تیس دن کے علاوہ اگلے تین ماہ بھی تیس دن کے ہی تسلیم کرنے پڑتے ہیں جو ماہرین فلکیات کے نزدیک بعید ترین بلکہ ممتنع ہے۔ دوسرا اشکال یہ کہ اگر ذی قعدہ کو کامل مہینہ تصور کرکے یکم ذی الحجہ کو جمعہ کا دن قرار دیا جائے تو مکّہ میں دخول ''پیر'' کے دن واقع ہوتا ہے جبکہ یہ اتوار کا دن تھا۔ اگر ذی قعدہ کو ناقص مہینہ یعنی ۲۹ دن کا تسلیم کیا جائے تو حدیث کے ساتھ بھی کامل مطابقت ہوجاتی ہے نیز دخول مکّہ بھی اتوار کے دن ہی ثابت ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ سے کنگھی کرنے، تیل لگانے، تہ بند اور چادر پہننے کے بعد روانہ ہوئے پھر اگلے دن ذوالحلیفہ میں اپنی سواری پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مقام بیداء میں پہنچے تو تلبیہ پڑھا اور اپنے جانوروں کی گردن میں قلّادہ ڈالا۔

''وَ ذٰلِکَ لِخَمْسٍ بَقِیْنَ مِنْ ذِی الْقَعْدَۃِ فَقَدِمَ مَکَّۃَ لِاَرْبَعِ لَیَالٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِی الْحِجَّۃِ۔''

اور یہ اس دن ہوا کہ ابھی ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے پھر ذی الحجہ کی چار راتیں گزرنے کے بعد مکّہ پہنچے۔

(صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب: مایلبس المحرم من الثّیاب......رقم الحدیث: ۱۵۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ سے نکلتے وقت ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے۔

''خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَخَمْسٍ بَقِیْنَ مِنْ ذِی الْقَعْدَۃِ''

(صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب: ذبح الرجل البقر عن نسائہ من غیر امرھن، رقم الحدیث: ۱۷۰۹)

ان احادیث میں ''لَخَمْسٍ بَقِیْنَ'' کے الفاظ سے صحیح وقت کا تعین ہرگز مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ مہینہ ناقص بھی ہوتا ہے اور کامل بھی۔ پھر مہینہ کے ختم ہونے سے پانچ دن پہلے اس قسم کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسی بات محض تخمیناً وانداز ًہ ہی کہی جاتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ''چار'' کا عدد بھی آیا ہے۔

''وَ اَنَّہٗ خَرَجَ لِخَمْسٍ بَقِیْنَ مِنْ ذِی الْقَعْدَۃِ اَوْ اَرْبَعٍ''

(فتح الباری، کتاب المغازی، باب: حجۃ الوداع، جلد ۸، ص: ۱۰۴)

اربابِ تاریخ وسِیَر کے مابین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کی طرح حجۃ الوداع کے لیے ''خروج من المدینۃ'' کی تاریخ کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ روانگی کی تاریخ کیا تھی؟ ۲۴، ۲۵، ۲۶/ ذی قعدہ تین قول ہیں اور اسی طرح دن کے متعلق بھی پنج شنبہ، جمعہ، شنبہ تین قول ہیں۔ جن میں سے جمعہ کا دن جن حضرات نے کہا ہے وہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ اس ناکارہ کے نزدیک ۲۵/ ذی قعدہ شنبہ کے دن روانگی روایات سے راجح معلوم ہوتی ہے۔'' (فضائلِ حج ص: ۱۶۵)

اکثر اربابِ تاریخ وسِیَر اور محققین نے ''ہفتہ'' کے دن ۲۵/ ذی قعدہ قول کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد اردو، حصہ اوّل، ص: ۴۶۔ سیرت ابن ہشام اردو، ص: ٦٦٨۔ البدایہ والنہایہ، جلد: ۵، ص: ۱۱۲۔ زاد المعاد لابن قیّم، جلد: ۲، ص: ۱۰۲۔ روضۃ الاحباب مترجمہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، جلد: ۲، ص: ۱۷۰۔ سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ: مولانا ادریس کاندھلوی، جلد: ۳، ص: ۱۴۹۔ نور البصر فی سیرت خیر البشر، مؤلفہ: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری، ص: ۱۳۳، اسوہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، مؤلفہ: ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی، ص: ۴۲۹۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، مؤلفہ: سید

ابوالحسن علی ندوی، جلد:۲،ص:۱۳۰۔کشف الباری۔کتاب المغازی،ص:۶۱۷۔مؤلفہ: مولانا سلیم اللہ خان، ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم، ص:۴۰۳،مؤلفہ: سید فضل الرحمٰن کراچی۔السیرۃ العالمی شمارہ نمبر۹،ص:۱۰۱،تحت ''خطبہ حجۃ الوداع'' مضمون نگار پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، سابق رئیس کلیہ فنون وصدر شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی، ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد:۴، ص:۷۴۸،مؤلفہ: پیر محمد کرم شاہ ازہری وغیرہم۔

تاریخِ خروج من المدینہ ۲۵رذی قعدہ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں ۴رذی الحجہ کو داخل ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ میں ظہر کی نماز چار رکعت ادا کر کے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر دو رکعت نماز عصر ادا فرمائی۔ رات یہاں قیام کر کے اگلے دن مختلف منازل ''الودحاء، الاثابہ، العرج، الابواء، عسفان اور سرف'' سے گزرتے ہوئے ۳رذی الحجہ کی شام ''ذی طوی'' پہنچے۔ یہاں پر رات قیام کر کے صبح ۴رذی الحجہ اتوار کے دن مکّہ میں داخل ہوئے۔

یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

اوّل یہ کہ مدینہ سے مکّہ تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ راتیں قیام پذیر رہے اور یہ سفر نہ تو تیز رفتار اور نہ ہی سست رفتار کے حساب سے ہے بلکہ یہ ایک درمیانی رفتار کے حساب سے ہے اور اسی سے خروج من المدینہ کا دن ہفتہ متعیّن ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

''کان دخوله صلّی اللّٰه علیه وسلّم مکة صبح رابعة کما ثبت فی حدیث عائشة و ذٰلکَ یوم الاحد و هٰذا یؤیّد ان خروجه من المدینة کان یوم السبت فیکون مکثهٗ فی الطریق ثمان لیال وهی المسافة الوسطٰی.'' (فتح الباری، جلد:۸،ص:۱۰۴)

دوسری بات یہ قابلِ غور ہے کہ ذی الحجہ کا چاند (جبکہ تقریباً تمام ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ میں طلوع ہوا یا مکّہ میں؟

مندرجہ بالا حوالے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دخولِ مکّہ سے تین منزل یا تین دن قبل ہی ذی الحجہ کا چاند طلوع ہو چکا تھا اور اس کی رویئت مکّہ و مدینہ کی الگ الگ رویئت کا مفروضہ ہرگز قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ اس دلیل سے جہاں مدینہ سے خروج کا دن ہفتہ اور مکّہ میں دخول کا دن اتوار متعیّن ہو جاتا ہے وہاں خروج من المدینہ کی صحیح تاریخ ۲۵رذی القعدہ بھی از خود ہی متعیّن ہو جاتی ہے جسے اکثر اربابِ تاریخ وسِیَر نے اختیار کیا ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ تاریخ کو تسلیم کرنے کے بعد نہ مکّہ و مدینہ میں رؤیت الگ الگ ماننا پڑتی ہے اور نہ ہی اس سے حدیث ''لِخَمْسٍ بَقِیْنَ

مِنْ ذِی الْقَعْدَةِ...... '' کی خلاف ورزی لازم آتی ہے بلکہ خروج من المدینہ ہفتہ، دخولِ مکّہ اتوار، ۹/ذی الحجہ ۱۰ھ جمعہ اور یکم ربیع الاوّل ۱۱ھ پیر کے ساتھ بھی کامل مطابقت ہو جاتی ہے۔ جبکہ امام ابن کثیر کے مفروضے کے تحت یعنی بارہ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو تاریخِ وفات تسلیم کرنے کے نتیجے میں جہاں مکّہ و مدینہ میں خلافِ واقع ذی الحجہ کے چاند کی الگ الگ رؤیت ثابت ہوتی ہے وہاں مسلسل چار مہینوں کو کامل یعنی تیس دن کا بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اب تطبیق ملاحظہ فرمائیں:

۲۵/ذی قعدہ ۱۰ھ خروج من المدینہ بروز ہفتہ، ۲۶/ذی قعدہ اتوار، ۲۷/ذی قعدہ پیر، ۲۸/ذی قعدہ منگل، ۲۹/ذی قعدہ بدھ، (بشمول یوم خروج حدیث ''لِخَمْسٍ بَقِیْنَ مِن ذِی الْقَعْدَةِ'' کے ساتھ مطابقت) یکم ذی الحجہ (مکّہ و مدینہ میں) جمعرات، ۲/ذی الحجہ جمعہ۔ اس صورت کو تسلیم کر لینے کے بعد کسی اعتبار سے بھی ۱۲/ربیع الاوّل ۱۱ھ کو پیر کا دن نہیں آتا۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ وفات ''اقویٰ، ارجح، اور اصح'' قول کے مطابق یکم ربیع الاوّل ۱۱ھ ہے۔

اس تفصیل کے باوجود یکم ربیع الاوّل تاریخِ وفات ہونے پر راقم الحروف کا ہرگز کوئی اصرار نہیں ہے کیونکہ یہ ایک تاریخی اور علمی نوعیّت کا مسئلہ ہے جس کا عقیدے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے البتہ علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ ۱۲/ربیع الاوّل کو ''میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بدعات و منکرات کا رد کرتے ہوئے اس تاریخ کو قطعی اور متفقہ طور پر ''تاریخِ وفات'' قرار نہ دیں بلکہ بدعات کی تردید کتاب و سنّت ہی کی روشنی میں کریں۔

☆......☆......☆

علماء حق کا ترجمان
المیزان
ناشران و تاجرانِ کتب
دینی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور اصلاحی کتابوں کا معیاری ادارہ
دینی مدارس کے طلباء کے لیے وفاق المدارس کا تمام نصاب سب سے زیادہ رعایتی قیمت پر

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-37122981-37217262